۱۵ جون ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر آل احمد سرور | شمارہ ۲۳

اس شمارے میں

آل احمد سرور

میں نے امریکہ کو کیسا پایا؟

(۲)

میں نے ابھی کہا تھا کہ امریکہ جنّت بھی ہے اور جہنّم بھی جنّت اس لئے کہ دنیا کا سب سے مالدار ملک ہے۔ یہاں سو سو اوپر منزلوں کی عمارتیں ہیں۔ چھ چھ گلیوں کی چوڑی سڑکیں ہیں جن پر ہر وقت ساٹھ ستر میل کی رفتار سے موٹریں دوڑتی پھرتی ہیں۔ ہندوستان میں جو سائیکل کی حیثیت ہے وہی امریکہ میں کار کی ہے۔ گیس سستا ہے۔ ٹی۔وی قریب قریب ہر گھر میں مل جائے گا۔ اگر رنگین نہیں تو سیاہ و سفید۔ ملک بہت بڑا ہے اور اس کے رقبے کو دیکھتے ہوئے آبادی زیادہ نہیں۔ یعنی رقبے میں ہندوستان امریکہ کا اکتالیس فی صدی ہے اور آبادی میں دُگنے سے زیادہ۔ ہماری آبادی اب پچپن کروڑ سے کم نہ ہوگی۔ امریکہ کی بیس کروڑ ہے اور پھر آبادی کا دو تہائی حصہ تو زمین کے دو فی صدی حصے میں ہے یعنی بڑے بڑے شہروں میں۔ امریکہ میں جس کی آمدنی چار سو ڈالر ماہوار سے کم ہے وہ غریب ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے پاس کار بھی ہو سکتی ہے اور ٹی۔وی بھی۔ چونکہ زیادہ تر چیزیں قسطوں پر مل سکتی ہیں اس لئے معمولی گھروں میں بھی ضرورت کی سبھی چیزیں مل جاتی ہیں۔ سیاہ فام لوگوں میں غریبی زیادہ ہے۔ ان میں جرائم کی تعداد، خودکشی کی تعداد اور بچوں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ عورتیں میک اپ پر خاصی رقم صرف کرتی ہیں اگرچہ نوجوان لڑکیوں میں اب سادگی کی طرف میلان بڑھ رہا ہے۔ مزدوری خاصی مل جاتی ہے معمولی چھوٹے موٹے کام کے لئے پونے دو ڈالر فی گھنٹہ۔ کھانے پینے کی چیزیں زیادہ مہنگی نہیں، مگر بعض چیزیں مثلاً دوائیں، علاج، حجامت، استری، ڈرائی کلیننگ خاصے مہنگے ہیں۔ مکانوں کے کرائے خصوصاً بڑے شہروں میں برابر بڑھ رہے ہیں۔ بہت سے لوگ علاوہ نوکری کرنے کے کسی اور جگہ بھی کام کرتے ہیں۔ امریکن والدین شروع میں بچوں کی بڑی دیکھ بھال کرتے ہیں، لیکن بچے ذرا بڑے ہوئے پھر ان کی زندگی الگ اور ان والدین کی الگ۔ بوڑھوں کی حالت زیادہ قابل رحم ہے۔ یہ لوگ الگ تھلگ رہتے ہیں، ان کے بچے ہفتے میں ایک دوبار ان سے ملنے آجاتے ہیں۔ جس ہوٹل میں میں رہتا تھا وہاں ایک بچانوے برس کی بڑھیا بھی رہتی تھی۔ اس کا لڑکا ہفتے میں ایک بار ملنے آتا تھا اور کھانے پینے کی کچھ چیزیں دے جاتا تھا۔ بیچاری بڑھیا جاڑے بھر ہوٹل سے باہر نہیں نکلی۔ شراب کا رواج عام ہے، مگر بدمستی میں نے زیادہ تر سیاہ فام لوگوں میں دیکھی۔ امریکہ میں تشدّد کی روایت پرانی ہے۔ جو لوگ پہلے پہلے یہاں آئے تھے انھوں نے یہاں کے پرانے باسیوں پر خاصے مظالم کئے۔ WESTERUS کی روایت اتنی مقبول ہے کہ اب بھی ٹی۔وی پر اس قسم کے فلم شوق سے دیکھے جاتے ہیں۔ یہودی سرمایہ دار امریکہ کے تجارتی حلقوں اور سیاسی حلقوں پر چھائے ہوئے ہیں لیکن یہاں کے دانشوروں، شاعروں، مصوروں اور ناول نگاروں میں بھی ان کا عنصر زیادہ ہے۔ ان میں لبرل خیالات

رکھنے والے، بلکہ بائیں بازو کے دانشور بھی خاصی تعداد میں ہیں۔ دفتروں میں، دکانوں میں، ہوائی اڈوں پر زیادہ تر عورتیں کام کرتی ہیں۔ یونی ورسٹیوں میں بھی خواتین اساتذہ کی خاصی تعداد ہے۔ امریکہ میں کئی نسلیں مخلوط ہوگئی ہیں اس لئے ہر طرح کے چہرے آپ کو یہاں نظر آئیں گے شام کو خاصی تعداد میں سیاہ فام شوہر اور سفید فام بیوی، یا سفید فام شوہر اور سیاہ فام بیوی ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سڑکوں پر نظر آتے ہیں۔ دکان دار عام طور پر خاصے ایماندار نظر آئے، چیز ناپسند ہو تو بعد میں بھی واپس کر سکتے ہیں۔ ٹیلی فون، بینک، بجلی گھر وغیرہ میں بڑی پھرتی سے کام ہوتا ہے۔ آپ کو بینک میں دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہ لگیں گے۔ لوگ عام طور پر خوش اخلاق ہیں۔ انگلستان کے لوگوں کی طرح سرد مہری سے کام نہیں لیتے۔ بات کرنے میں سبقت کرتے ہیں جنس کے معاملے میں خاصی آزادی ہے مگر ہر عورت (MR RIGHT MAN) یعنی موزوں ترین آدمی کی تلاش میں ضرور رہتی ہے۔ جب سے کالوں اور گوروں میں تناؤ شروع ہوا ہے، تشدد کے واقعات بڑھ گئے ہیں کالوں میں انتہا پسندی آگئی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اعتدال پسند گوروں نے ان کے حالات کو بدلنے کے لئے باتیں زیادہ کیں، عملی کام کم کیا۔ اب وہ ان حالات کو بدلتے ہوئے ہیں اور ان میں (BLACK PANTHERS) سیاہ تیندوں کی جماعت سب سے زیادہ مقبول ہے، اس میں بعض بڑے پڑھے لکھے نوجوان بھی شامل ہیں۔ امریکہ کا برسر اقتدار طبقہ کالوں کی اس انتہا پسندی سے خائف بھی ہے اور اس پر برہم بھی، مگر نوجوانوں میں عام طور پر کالوں کے ساتھ انصاف کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ ابھی حال تک یورپ کے لوگوں کو امریکہ آنے کی پوری آزادی تھی مگر ایشیا اور افریقہ کے لوگوں کی بہت تھوڑی تعداد کو اجازت ملتی تھی، مگر اب ایشیائی ممالک سے کچھ زیادہ تعداد میں لوگ آنے لگے ہیں، ہندوستان اور پاکستان سے خاصی تعداد میں لوگ امریکہ آگئے ہیں۔ سبھی کو کوئی نہ کوئی کام مل گیا ہے، وہاں کے لوگوں کا عام تاثر یہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان سے لوگ صرف روپیہ کمانے آتے ہیں خرچ کرنا نہیں جانتے۔ حالانکہ امریکہ کا سماج خرچ کرنے کا سماج ہے، امریکہ میں ہر چیز بڑے پیمانے پر ہے۔ اگر علمی سرگرمی ملے گی تو بڑے پیمانے پر، اگر بے ایمانی ہوگی تو وہ بھی بڑے پیمانے پر۔ تفریحی پروگرام بھی بڑے پیمانے پر، غرض ہر چیز LARGER THAN LIFE معلوم ہوتی ہے۔

(باقی)

اردو گھر کے لئے عطیے کی قوی امید

انجمن کے وفد کی وزیر تعلیم سے ملاقات

انجمن ترقی اردو ہند کا ایک وفد ۱۰ر جون کو بارہ بجے دن، ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی راؤ وزیر تعلیم حکومت ہند سے ملا۔ وفد کی قیادت پنڈت آنند نرائن ملا نائب صدر انجمن نے کی۔ کرنل بشیر حسین زیدی اور پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری وفد کے ممبر تھے۔

انجمن کی طرف سے وزیر تعلیم کی خدمت میں ایک نوٹ پیش کیا گیا جس میں وزیر تعلیم کو مولانا آزاد مرحوم کا وعدہ یاد دلایا گیا تھا جس کی رو سے حکومت ہند نے انجمن کی عمارت کے لئے چار لاکھ روپیہ دینا طے کیا تھا۔ نوٹ میں کہا گیا تھا کہ انجمن کی عمارت اردو گھر کے نقشے منظور ہو گئے ہیں۔ وزیر اعظم اندرا گاندھی عمارت کا سنگ بنیاد رکھ چکی ہیں اور تعمیر کا کام جلد شروع ہونے والا ہے، اس لئے حکومت کا موجودہ عطیہ جلد ملنا چاہیے تاکہ کام میں رکاوٹ نہ ہو۔ اخراجات کا تخمینہ آٹھ لاکھ کیا گیا ہے اور حکومت کے عطیے کے بعد بھی انجمن ڈیڑھ لاکھ اپنے فنڈ سے خرچ کرے گی اور ڈھائی لاکھ چندے سے۔ نوٹ میں یہ بھی درخواست کی گئی تھی کہ انجمن کی گرانٹ تارا چند کمیٹی کی سفارش کے بموجب ۳۸۶۰۰ سے بڑھا کر ۴۸۶۰۰ کر دی جائے۔

وزیر تعلیم نے بڑی ہمدردی سے وفد کے معروضات سنے۔ انھوں نے یقین دلایا کہ وہ اردو کو ایک قومی زبان سمجھتے ہیں جس کی ترقی سے انھیں گہری دلچسپی ہے اور وہ اس کے لئے ہر مناسب قدم اٹھانے کو تیار ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اس دلچسپی کی وجہ سے انھوں نے حکومت کے ترقی اردو بورڈ کی صدارت منظور کی ہے انھوں نے مزید یقین دلایا کہ وہ جلد سے جلد انجمن کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مناسب اقدامات کریں گے۔

(جنرل سکریٹری)

پندرہ روزہ "برگ آوارہ" کا اجرا

حیدرآباد دکن: اردو کے صاحب طرز اور منفرد شاعر جناب خورشید احمد جامی کی یاد میں ایک علمی، ادبی اور تہذیبی پندرہ روزہ رسالہ "برگ آوارہ" جولائی ۸۰ء سے جواں سال شاعر جناب محمود خاور کی ادارت میں ۴-۱-۵۲۶ ترپ بازار، حیدرآباد دکن ۱ سے شائع ہوگا۔ ادیبوں، شاعروں اور علم دوستوں سے اس رسالہ کی سرپرستی کی خواہش کی جاتی ہے۔

• محمود خاور، ایڈیٹر "برگ آوارہ"

سید محمد علی کاظمی

قاضی عبدالغفار کی شعرگوئی

اکثر حضرات کو اس بات کا علم ہے کہ قاضی صاحب شعر بھی کہتے تھے۔ لیکن عام طور سے ان کا کلام منظر عام پر نہیں آیا۔ اِکّا دُکّا ایک دو چیز شائع ہوگئی وہ دوسری بات ہے۔ قاضی صاحب کے انتقال پر انجمن ترقی اردو ہند کے پندرہ روزہ ترجمان 'ہماری زبان' کے اداریہ میں پروفیسر آل احمد سرور نے لکھا تھا کہ قاضی صاحب کا

"نثر میں جو مرتبہ تھا وہ سب پر روشن ہے۔ مگر کبھی کبھار وہ شعر بھی کہتے تھے"[1]

ہماری زبان کے اسی شمارے میں اس بات کا بھی اعلان ہوا تھا کہ

"ہماری زبان کے عبدالغفار نمبر میں ان کا کلام بھی پیش کیا جائے گا"[2]

لیکن اس اعلان کے مطابق ہماری زبان کے عبدالغفار نمبر میں قاضی صاحب کا کلام نہیں ملتا۔

یہ صحیح ہے کہ قاضی صاحب نے کچھ اشعار کہے ہیں، لیکن بحیثیت شاعر کے ان کی نہ اردو ادب کو کوئی دین ہے اور نہ شاعری کے میدان میں ان کا کوئی مقام و مرتبہ ہے۔ حالانکہ ایک صاحب تو نہ جانے کس ترنگ میں یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ قاضی صاحب ایک صاحب طرز

"انشا پرداز، نقاد، سوانح نگار، صحافی اور شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے کلام کا ابتدائی حصہ مزاحیہ رنگ میں ہے اور آخری دور کا کلام طنز کا ایک نادر نمونہ ہے ...."[3]

اس بیان کے بالکل برعکس ہماری زبان کے اسی شمارہ میں ایک دوسرے صاحب کا بیان ہے کہ جنوری ۱۹۲۹ء میں کالون تعلقدار کالج کے سالانہ مشاعرہ میں جس کی صدارت اثر لکھنوی مرحوم کو کرنا تھی قاضی صاحب بھی اتفاق سے موجود تھے۔ اثر صاحب کسی وجہ سے مشاعرہ میں تشریف نہیں لا سکے اور قاضی صاحب کو اہل مشاعرہ نے مشاعرہ کی صدارت کے لئے منتخب کر لیا۔ ان صاحب کے بقول قاضی صاحب نے فی البدیہہ یہ فرمایا کہ کچھ عجیب سی

"بات ہے کہ مشاعرے کی صدارت ایک ایسے شخص کے سپرد کی گئی ہے جس نے اپنی عمر میں ایک شعر بھی نہیں کہا"[4]

اور ان صاحب کے بیان کے مطابق ہر طرف سے قاضی صاحب کے اس شعرِ منثور کی داد دی گئی۔

قاضی عبدالغفار کے انتقال پر انجمن ترقی اردو دہلی کا تعزیتی جلسہ ۵ فروری ۱۹۵۷ء کو ڈاکٹر سید محمود کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اس جلسے میں انور صابری نے اپنا کلام سنانے سے پہلے قاضی صاحب کا ایک شعر پڑھا۔ انور صابری کے بیان کے مطابق قاضی صاحب نے یہ شعر حیدر آباد کے کسی مشاعرہ میں پڑھا تھا۔ شعر مذکور یہ ہے ؎

"کہانی زندگی کی ایک دن یوں ختم ہو جائے
کہ جیسے طفلِ ناداں روتے روتے تھک کے سو جائے"[5]

انور صابری کسی بھی معروف شخص کے انتقال کے بعد اس کے بارے میں اسی قسم کی بے بنیاد باتیں بیان کرنے کے سلسلے میں کافی مشہور ہیں۔ اس لئے ہم بھی ان کے اس بیان کو مستند نہ سمجھے، لیکن حسنِ اتفاق سے قاضی صاحب کی لڑکی فاطمہ عالم علی نے قاضی صاحب کی ایک ذاتی ڈائری مجھے دکھائی اس میں یہ شعر قاضی صاحب ہی کے قلم سے اس طرح موجود ہے ؎

کہانی دل کی آخر ایک شب یوں ختم ہو جائے
کہ جیسے طفلِ ناداں روتے روتے تھک کے سو جائے

لیکن یہ امر بہر حال تصدیق طلب ہے کہ قاضی صاحب نے حیدرآباد کے کسی مشاعرہ میں اپنے کو بحیثیت شاعر کے بھی پیش کیا تھا۔ اس امر کی کوئی تردید یا تصدیق نہیں ہو سکی۔

ہمیں قاضی صاحب کی ایک مطبوعہ نظم اور ایک غزل بھی ملی ہے۔ نظم کا عنوان ہے "زخم آخری کی آرزو" یہ مسدس کی شکل میں ہے اور نو بندوں پر مشتمل ہے اس پر قاضی صاحب کا نام پورا لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ مخفف کر کے لکھا گیا ہے یعنی (ق۔ع۔غ) یہ نظم جامعہ ماہ ستمبر ۱۹۳۱ء کے صفحہ ۲۳۳ پر دیکھی جا سکتی ہے۔ غزل قاضی صاحب نے اپنے قلمی نام خاموش سے شائع کرائی ہے۔ غزل میں پانچ شعر ہیں یہ غزل ماہنامہ 'دلستان' بمبئی نومبر ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ قاضی صاحب کی لڑکی فاطمہ عالم علی کے ذریعہ سے جو کلام قاضی صاحب کی ذاتی ڈائری سے نقل کیا گیا ہے وہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔

مطبوعہ غزل کا عنوان ہے "نوائے خاموش" مصنفہ از جناب خاموش۔ غزل کے اشعار یہ ہیں۔

حسن جب رُدے گل ولالہ میں عریاں ہوگیا
عشق کا ہر ذرہ نکہت میں پریشاں ہوگیا

المدد اے ناخدائے کشتیِ دل المدد!
کاروانِ عمر نذرِ جوشِ طوفاں ہوگیا

اللہ اللہ میرے چشمِ دل کی پردہ داریاں!
دل سے گذرا تیر جو آنکھوں میں پنہاں ہوگیا

---

[1]، [2] پندرہ روزہ ہماری زبان، علی گڑھ۔ یکم مارچ ۱۹۵۷ء
[3] " " " " " " " رشید احمد خاں خواجہ کا پیغام
[4] " " " " " " عبدالماجد خاں خلیل لکھنؤ یونیورسٹی کا پیغام

[5] پندرہ روزہ ہماری زبان، علی گڑھ، یکم مارچ ۱۹۵۷ء انور صابری کا تعزیتی پیغام

بس دیا ہے حاصلِ عمرِ سبک پائے زندگی
تم سے اس دنیا میں جو کار نمایاں ہو گیا
سیکڑوں غم کے ہیں مدفن مرقد خاموش میں
اور بھی آیا گھڑی بھر کو تو گریاں ہو گیا!

مطبوعہ نظم جس کا عنوان "زخم آخری کی آرزو" ہے مندرجہ ذیل ہے

ایک نگاہِ لطف تیر بے کماں میرے لیے
ایک ادائے ناز زخمِ بے نشاں میرے لئے
زخم دل میرے لئے داغ نہاں میرے لیے
تھے دیارِ عشق میں کیا کیا نشاں میرے لئے

آج میری ہستی ہنگامہ زا خاموش ہے
آرزوئے مردہ کا تابوت بار دوش ہے

اس بساطِ عشق پر ہاری ہوئی بازی ہوں میں
اور فریبِ حسن کا ایک قصہ ماضی ہوں میں
فیضِ داغِ عشق کا ممنونِ ناراضی ہوں میں
مرگِ امید وفا پر ہر طرح راضی ہوں میں

دیدۂ بے نور محروم تماشا چاہیے!
اے دلِ بے مدعا آخر تجھے کیا چاہیے؟

ہے حیاتِ دنیوی ایک عہد مجبوری کا نام
دارو گیرِ زندگی ہے ایک معذوری کا نام
کیفِ وصلِ یار ہے فی الواقعہ دوری کا نام
عیش رکھا انتہائے دردِ مہجوری کا نام

دیکھنا تو زندگی کی یہ غلط اندیشیاں
اور ناکام فریبِ عشق کی دل ریشیاں

جستجوئے جنت اجزائے فانی کس لئے
سوزشِ عہد بقائے زندگانی کس لئے
رنگ بے ربطِ عالم کی کہانی کس لئے
نقطۂ موہوم پر جادو بیانی کس لئے

مدعائے ہستی باطل رہے گا بے نشاں
فہم خود بیں کی سبک آرائی رہیں گی دھجیاں

قطرۂ شبنم ہے تصویر نظام روزگار
برگِ گل پر ایک ساعت بھی نہیں ممکن قرار
ہر نفس لاتا ہے یک صبحِ خزاں شامِ بہار
موجِ بوئے گل کا کیا آغاز کیا انجامِ کار

ہے چمن کی آبرو ممنونِ یک موجِ نسیم
بلبل رنگیں ہے کیوں پابندِ امید و بیم!

اے اقبال، ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے اور خود تقدیر بھی ایک خواب بے تعبیر ہے

اس کتابِ زندگی کی زخمِ دل تصویر ہے ہر نفس نکلا ہوا گویا کماں سے تیر ہے

جب یہ عالم ہے تو پھر ہنگامہ ہستی ہے کیا
امتیازِ باطل ہشیاری و مستی ہے کیا؟

زندگی کے چہرہ اصل پہ ہے ہلکا نقاب پردہ غفلت میں ہے پوشیدہ پیری و شباب
اصل کار زندگی ہے جلوہ نقش سراب ایک ہی ہے خندہ سرور اور چشم پُر آب

اس فریب زندگی پر کیوں مٹے جاتے ہیں ہم
عقل بے بنیاد کے بوتے پہ اتراتے ہیں ہم

ہم نوا تیری نظر سطح دریا پر آب ہے محو رقص موج ہے اور کس قدر بیتاب ہے
زندگی کا کارواں ہر قطرہ ایک گرداب ہے جنس عشرت اس تماشا گاہ میں نایاب ہے

کشتی پارینہ لرزاں قلزم ہستی یہ ہے
موج خشم آگیں آمادہ زبر دستی یہ ہے

دل کہ ہے سوز جراحت کا مزا پائے ہوئے ہر قدم پر جو کہ ایک زخم اٹھائے ہوئے
جستجوئے عیش بے معنی سے پچھتائے ہوئے بھول کر سب زندگی کے خواب دکھلائے ہوئے

شیوۂ ناز و نیاز عشق و شانِ دلبری
مانگتا ہے سب کے بدلے ایک زخم آخری! (ق۔ ع۔ غ)

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل سطور میں وہ کلام پیش کیا جاتا ہے جو قاضی صاحب کی ذاتی ڈائری سے نقل کیا گیا ہے، یہ ڈائری قاضی صاحب کی لڑکی فاطمہ عالم علی (مقیم حیدرآباد) کے پاس محفوظ ہے اور اس میں قاضی صاحب کے قلم سے مندرجہ ذیل کلام مندرج ہے جو فاطمہ عالم علی کے بیان کے مطابق خود قاضی صاحب کی تصنیف ہے ؎

مژدہ اے ذوق تماشا شہسوار آنے کو ہے
جذبِ ذوق تقاضا اب وہ یار آنے کو ہے
بلبلیں کہتی ہیں پھر وہ گلعذار آنے کو ہے
اس خزاں دیدہ چمن میں پھر بہار آنے کو ہے

زخم میں پھر ٹیس ہے ٹکڑوں میں بے چینی سی ہے
پھر بہار آنے لگی، شاید کہ یار آنے کو ہے

کل تلک وحشت کا عالم تھا خیال یار میں
آج آنے کی خبر سن کر قرار آنے کو ہے
دیکھو اے غافل کہ اس کے کشتگانِ ناز بھی
منتظر بیٹھے ہیں وہ سوئے مزار آنے کو ہے

کہانی دل کی آؤ ایک شب یوں ختم ہو جائے
کہ جیسے طفلِ ناداں روتے روتے تھک کے سو جائے
کہیں سے ایک شب اے چشم گریاں مجھ کو تو لا دے
وہ ایک آنسو جو نقش زندگانی آ کے دھو جائے
عمل فطرت کا ہے اس جلوہ گاہ دہر میں ایسا
کہ بس ایک لمحہ کھولے آنکھ غنچہ اور سو جائے
فریبِ زندگی یا وحشت سے نہ بھٹکا دے
متاعِ زخمِ دل اس کی امانت سے نہ کھو جائے

اس نامراد دل کی جسارت کو کیا کروں
ہے بدنصیب اب بھی طلب گارِ آرزو
تنہا بہ فنا ہے یہ ناکام عشق پھر
مانگے ہے ایک ساغرِ سرشارِ آرزو
پروانہ اپنی منزلِ آخر پہ آگیا
باقی ہے ایک شمعِ عزادارِ آرزو
داغِ جگر کا سوز نہ وجدانِ عشق ہے
اب نورِ آرزو ہے نہ اب تارِ آرزو
شعلہ نہیں وہ جس سے عبارت ہے زندگی
لاؤں کہاں سے لذتِ آزارِ آرزو
ڈرتا ہوں میں کہ چشمِ فسوں گر کے سامنے
چھلکے گا آج ساغرِ سرشارِ آرزو

جب حال کی اس بدحالی سے تنگ آتا ہوں گھبراتا ہوں
ماضی کی سہانی یادوں میں ناچار فنا ہو جاتا ہوں
وہ اور ہی عالم ہوتا تھا جب ساتھی سب یاں آتے تھے
اور محفلِ سہانی چارے کی اس طرح یہاں گرماتے تھے
کچھ بیتے دور کے افسانے سنتے تھے اور سناتے تھے
پیغام پرانی یادوں کا وہ لاتے تھے اور لے جاتے تھے
وہ گیسو شاید کالج کے کچھ اور طرح بل کھاتے تھے
کچھ اور ہی تھے رنگ محبت کے کچھ اور ہی رشتے ناتے تھے
کچھ راگ بھی تھا کچھ رنگ بھی تھا اور ڈھولک تھی اور چنگ بھی تھا
وہ بوڑھے جوان بن جاتے تھے مے خانے میں جب آتے تھے
یاں گنگا جمنا ملتی تھی اور پریم کا رنگ نکھرتا تھا
کچھ گیت بھی گائے جاتے تھے اور پھاگ بھی کھیلے جاتے تھے
جو خون کہ ٹھنڈا ہوتا تھا وہ خون بھی کچھ گرماتا تھا
احساس کہولت مٹ جاتا اس دیس جب آجاتے تھے
گو مصرعہ کی دم کٹی ہو اور شعر کا سانچا بھونڈا ہو
ہر محفلِ جہلِ مرکب میں کچھ شعر بھی ہم فرماتے تھے
اب کون علی گڑھ آتا ہے جو آتا ہے وہ جاتا ہے
سب بھول گئے ہم یاد نہیں کب آتے تھے کب جاتے تھے
بریانی اب بھی پکتی ہے اور ٹکڑے اب بھی کھاتے ہیں
ہیہات وہ لذت کام و دہن جس لذت سے ہم کھاتے تھے
وہ دورِ بہاراں بیت گیا، روداد جوانی ختم ہوئی
اشکوں کو زمانہ کیا دے گا اپنی تو کہانی ختم ہوئی

فاطمہ عالم علی قاضی صاحب کی بیگم، اور ان کے چند احباب کا بیان ہے کہ یہ نظم قاضی صاحب نے اولڈ بوائز ایسوسی ایشن مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے سالانہ جلسے میں پڑھی تھی۔

ولیم ورڈز ورتھ
مترجم رحم علی الہاشمی

نرگسِ آبی

(ورڈز ورتھ کی مشہور نظم "ڈیفوڈلس" کا منظوم ترجمہ)

اکیلا پھر رہا تھا جیسے اک بادل کا ٹکڑا ہو
جو وادی اور پہاڑوں کی فضاؤں میں بھٹکتا ہو
کہ دیکھے جھیل کے ساحل پہ میں نے نرگسِ آبی
طلائی رنگ ان کا جیسے اک سونے کا دریا ہو
اگرچہ ان پہ سایہ ہر طرف سے تھا درختوں کا
ہوا لہریں اٹھاتی تھی کہ کھیل و تماشا ہو
ستاروں کی طرح ان میں چمک تھی اس طرح گویا
شبِ تاریک میں جیسے کہ منظر کہکشاں کا ہو
ستارے کہکشاں میں جس طرح رخشاں نظر آئیں
ہر اک تارِ نگہ کیونکر نہ پھر محوِ تماشا ہو
ہزاروں پھول تھے جو سر جھکائے رقص کرتے تھے
کہ جیسے جھیل پر پریوں کا سایہ رقص کرتا ہو
اگرچہ ناچتی تھیں ساتھ ان کے جھیل کی لہریں
مگر وہ رقص ان کا جیسے اندر کا اکھاڑا ہو
نہ کیوں شاعر کے دل میں وجد آئے ایسی محفل میں
زمیں نے ان کو دیکھا جیسے عاشق کوئی شیدا ہو
مگر کیا میں کہوں کس قدر دولت ہوئی اس سے
ذرا بھی تو خیال اس کا جو میرے دل میں آیا ہو
کہ اکثر اپنے بستر پر جو تنہا لیٹتا ہوں میں
کہ خالی ذہن ہو یا دل پہ غم کا بار ہوتا ہو
تو ان پھولوں کا نقشہ میری آنکھوں میں جھلکتا ہے
خوشی کا ایک دریا جیسے موجیں دل میں لیتا ہو
مرا دل بھی انھیں کے ساتھ محوِ رقص ہو جائے
نہ دل میں کوئی غم ہو اور نہ سر میں کوئی سودا

اردو ادب کے پرانے فائل

۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۶ء تک

قیمت مجلد ۲۱ روپے فی جلد

غیر مجلد ۵ روپے فی شمارہ

ملنے کا پتہ

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

مراسلات

مکان شماری ۔ مردم شماری

کسی بھی ملک کی منظم منصوبہ بندی صرف اسی وقت ہو سکتی ہے ۔ جبکہ مردم شماری اور اس کے ساتھ ہم پہنچائی ہوئی اطلاعات صحیح ہوں ۔ اگر یہ اطلاعات ہی غلط ہوں گی تو تمام منصوبہ بندی غلط ہو جائے گی ۔ جو کہ ملک کی خوش حالی کے لئے تباہ کن اور عوام کے لئے باعث زحمت ثابت ہو سکتی ہے ۔ اسی لئے ہر ذمہ دار ہندوستانی شہری کا فرض ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو مردم شماری کرانے میں حکومت کی مدد کرے ۔ یہ مدد صرف اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ مردم شماری کے قوانین و ضوابط اور دستور عمل سے تھوڑی بہت واقفیت ہو ۔

اب ہندوستان میں مردم شماری دو حصّوں میں کی جاتی ہے ۔

پہلے دور میں مکانوں ، دکانوں ، کارخانوں اور جھونپڑیوں کو شمار کیا جاتا ہے اور ان پر نمبر ڈالے جاتے ہیں ۔ ۱۹۸۰ء کے شروع میں تقریباً تمام ہندوستان کے مکانوں کو شمار کیا جا چکا ہے اور نمبر بھی ڈالے جا چکے ہیں ۔

دوسرا دور ۱۰ ر فروری ۱۹۸۱ء کو طلوع آفتاب سے شروع ہو کر ۲۸ ر فروری کو غروب آفتاب کے ساتھ ختم ہو جائے گا ۔ ۲۸ ر فروری اور یکم ر مارچ کی درمیانی رات کو بے گھر لوگوں کی مردم شماری کی جائے گی ۔ یکم ر مارچ سے لے کر ۴ ر مارچ کو غروب آفتاب تک ہر مردم شماری کرنے والا افسر اپنے مجوزہ حلقہ کا جائزہ لے گا ۔ نوزائیدہ بچوں کے فارم بھرے جائیں گے ۔ جو لوگ اس حلقہ میں فوت ہو گئے ہوں گے ۔ ان کے فارموں کو شمار سے نکال دیا جائے گا ۔ اور اگر وہ افسر چاہے تو ان لوگوں کی بھی مردم شماری کا فارم بھر سکتا ہے ۔ جو کسی وجہ سے پہلی بار شمار نہ کئے جا سکے ہوں ۔

ہمیں ابھی مکان شماری کا جائزہ لینا ہے ۔ اور یہ دیکھنا ہے کہ کوئی محلہ ، کوئی گلی ، کوئی مکان یا کوئی گاؤں کسی وجہ سے مکان شماری سے تو نہیں رہ گیا ہے ۔ کیونکہ یہ مکان شماری نزدیک میں ہونے والی مردم شماری کی بنیاد بن جائے گی جو مکان ، نمبر شماری سے رہ جائیں گے ۔ اغلب خیال ہے کہ وہ مردم شماری میں بھی آسانی سے شامل نہ ہو سکیں گے ۔

مکان شماری کا جائزہ لینے کے لئے چند موٹی موٹی باتیں جاننا ضروری ہیں ۔

(۱) گھر کے صدر دروازے یا اس کے آس پاس کسی رنگین شناختی تار کول سے دیوار پر یا ٹین یا لکڑی وغیرہ کی تختی پر یہ نمبر پڑے ہوں گے ۔

(۲) یہ نمبر انگریزی ہندسوں میں لکھے ہوں گے ۔

(۳) ہر عمارت کا ایک نمبر ہو گا ۔

(۴) اگر کسی عمارت میں چار خاندان رہتے ہیں تو ہر ایک خاندان کا نمبر الگ الگ بھی ہونا چاہئے ۔

مثلاً کسی عمارت کا نمبر ۱۹ ہے تو اس میں رہنے والے چاروں خاندان کے دروازوں پر نمبر شمار اسی طرح ہونی چاہئے ۔

۱۹ (۱) اور ۱۹ (۲) اور ۱۹ (۳) اور ۱۹ (۴)

(۵) اگر مکان شماری کے بعد ایک یا دو ، مکان نمبر ۱۹ اور مکان نمبر ۲۰ کے درمیان نئے بن جاتے ہیں ، تو مردم شماری کا افسر خود یا آپ کی توجہ دلانے پر نئے مکان کو اس طرح شمار کر سکتا ہے ۔ ۱۹/۱ اور ۱۹/۲ وغیرہ

نوٹ : اس کے علاوہ ضلع تحصیل ، تعلقہ وغیرہ کے بھی نمبر ہوں گے مگر ان کا ہم عام لوگوں کے لئے جاننا ضروری نہیں ہے ۔

مکانوں کے نمبروں کا جائزہ لینے کا طریقہ کار

کسی بھی انجمن یا جماعت کے ماتحت یا کسی بھی طرح جس میں آپ کو آسانی ہو ایک مردم شماری کمیٹی بنا لیجئے ۔ اگر شروع میں کمیٹی کے ممبران کم بھی ہوں تو مضائقہ نہیں ہے کیونکہ جب آپ محلوں میں جا کر کام کریں گے تو آپ کو نئے نئے پرجوش اور مخلص کارکن مل جائیں گے ۔

اس کمیٹی کا سب سے پہلے تو کام یہ ہے کہ وہ اپنے حلقہ کے مردم شماری کو منظم کرنے والے سرکاری دفتر کا پتہ لگائے ۔ اور اگر ممکن ہو تو دو چار مقامی با اثر حضرات وہاں کے افسر اعلیٰ سے مل لیں اور ان کو اپنے تعاون کا یقین دلانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہیں کہ مردم شماری بالکل صحیح ہونا چاہئے یہ رابطہ آگے چل کر کام آئے گا ۔

اس کمیٹی کے پہلے جلسے میں دو یا تین کارکنوں کو ایک ایک محلے کا جائزہ لینے کے لئے مقرر کریں جب یہ کارکن کسی محلہ میں پہنچیں تو اس محلے کے کچھ سربرآوردہ لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیں ۔ اور پھر دیکھیں کہ سب گھروں پر مکان شماری نمبر پڑ گیا ہے یا نہیں اور کوئی گھر تو نہیں چھوٹ گیا ۔

ایک یا دو مکان تو جانے دیجئے بعض دفعہ تو پوری پوری گلیاں ۔ محلے اور گاؤں تک چھوٹ جاتے ہیں ۔ مردم شماری کمیٹی کا یہ فرض ہے کہ وہ مردم شماری کے سرکاری عملے کو اس بھول سے آگاہ کر دے اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک کہ اس رہ کردہ عمارت پر مکان شماری کا نمبر نہیں پڑ جاتا ہے ۔

اگر مقامی کوشش بیکار ثابت ہو تو مہربانی سے درج ذیل پتہ پر خط لکھئے اور خط میں درج ذیل باتیں لکھنا نہ بھولئے

(الف) اپنا پتہ مکمل صاف اور خوش خط لکھیں ۔

(ب) جس مکان کے بارے میں شکایت کی جائے ۔ اس کا پتہ مکمل

تحریر فرمائیں:

(ج) مکان کے دائیں اور بائیں یا سامنے اور پشت کے مکانوں پر جو نمبر پڑے ہوں، وہ تحریر کردیں۔ اگر پورا گاؤں یا محلہ چھوٹ گیا ہو تو آس پاس کے گاؤں یا محلے کے نمبروں کو تحریر کردیں تو شکایت بآسانی سے کی جاسکے گی۔

(د) شکایت کی کاپی کی دو نقلیں ہونا ضروری ہیں۔

نوٹ: آپ کا خط جیسے ہی مجھے ملے گا، میں اس کو افسران بالا کے پاس اپنے نوٹ کے ساتھ بھیج دوں گی۔ اور ایک تحریری شکایت دفتر میں محفوظ رہے گی۔

شکایت کرنے کے ۱۵ دن کے اندر اندر چھوٹے ہوئے مکانوں پر نمبر پڑ جانے چاہئیں۔ ورنہ پھر دفتر کو مطلع فرمائے کہ ابھی تک مکان شماری نہیں ہوئی ہے۔ اگر آپ کا خط دوبارہ نہیں آیا تو سمجھ لیا جائے گا کہ آپ کے بتائے ہوئے مکانوں پر نمبر شمار ڈال دیا گیا ہے۔

پتہ: (دفتر کل ہند مردم شماری کمیٹی ۱۱ اے ریور بینک کالونی، لکھنؤ یو۔پی)

یہ مردم شماری کو ٹھیک طرح پر چلانے کے سلسلے میں پہلا قدم ہے۔ مردم شماری میں زبان، مذہب اور ذات وغیرہ کا اندراج ٹھیک طرح سے ہو۔ اس کے لئے بھی کچھ بنیادی باتیں معلوم ہونا ضروری ہیں۔ جن کو آئندہ مضمون میں تحریر کردیا جائے گا۔

اگر ہم اس کوشش میں کامیاب ہو گئے اور جن لوگوں کی مادری زبان اردو ہے ان کی تعداد کا صحیح اندراج ہوگیا تو اردو کو بہت سے اضلاع میں بہت سے حقوق حاصل ہو جائیں گے جو ابھی تک نہیں ملے ہیں۔

لکھنؤ　　　　سلطانہ حیات

بزمِ سیماب کی تعزیتی قرارداد

"بزمِ سیماب بے پھول باوری گارڈن نئی دہلی کا یہ جلسہ ملک کے مشہور و معروف ادیب و شاعر جناب منشی بشیشور پرشاد منوّر لکھنوی کی وفات پر اظہارِ غم و افسوس کرتا ہے۔ ان کی رحلت سے اردو شعر و ادب کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ دعا ہے کہ پرماتما مرحوم کی روح کو سکونِ دوام عطا فرمائے اور ان کے پس ماندگان اور دیگر احباب کو ان کی دائمی جدائی کو برداشت کرنے کی طاقت دے۔"

• ضیا فتح آبادی صدر

ہماری زبان
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

ضیا فتح آبادی

جناب منوّر لکھنوی کی وفات پر

ضیائے شمعِ منوّر کہاں، اندھیرا ہے
خموش بزمِ سخن ہے، غموں نے گھیرا ہے

اجل سے بچ کے نکل جائے کوئی ناممکن
رہِ حیات میں ہر گام پہ لٹیرا ہے

شعاعِ مہر کا سینہ ہے ظلمتوں کا امیں
لباسِ شام میں لپٹا ہوا سویرا ہے

یہاں تو یادِ دل کا رونا ہے حسرتوں کا شمار
جہانِ فانی نہ میرا ہے اور نہ تیرا ہے

سخن شناس گیا، کون دے گا دادِ سخن
اداس گل ہیں، چمن میں خزاں کا ڈیرا ہے

دلوں پہ کھل ہی گیا آہ، دوستی کا بھرم
کہ ایک دوست نے منہ دوستوں سے پھیرا ہے

●

مردم شماری کا وقت قریب آرہا ہے۔ ابھی سے آپ اپنے حلقے میں لوگوں پر اس کی اہمیت واضح کیجئے۔

■

مادری زبان کے خانے میں اردو کا اندراج کرائیے اور دیکھ لیجئے کہ صحیح اندراج ہوا ہے۔

●

مردم شماری کے موقع پر اپنی مادری زبان اردو لکھوائیے۔

انجمن کی خبریں

ریاستی انجمن ترقی اردو کی ادبی نشست پندرہ روزہ

اخبار کی ضرورت پر زور

لکھنؤ، ۷رجون۔ یہاں ریاستی انجمن ترقی اردو کے دفتر ۱۱۔ ہاتھی خانہ میں ایک ادبی نشست ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کی صدارت میں ہوئی۔

انجمن کے جنرل سکریٹری جناب راحت علی خاں نے اردو کی ترقی کی رفتار پر روشنی ڈالی۔

مردم شماری مہم میں تیزی پیدا کرنے کی متعدد تجاویز بھی زیر غور آئیں اس سلسلے میں ایک پندرہ روزہ اخبار نکالنے کی ضرورت پر زور دیا گیا تاکہ اس کو ریاستی انجمن کا ترجمان بنا کر تمام شاخوں سے رابطہ قائم کیا جا سکے اور مزید شاخوں کی تشکیل میں مدد بھی مل سکے ساتھ ہی تعلیمی مہم کا کام بھی لیا جا سکے۔

آخر میں جناب احمد ابراہیم علوی جوائنٹ سکریٹری ریاستی انجمن نے عرب اسرائیل جنگ کے موضوع پر اپنا ناول "ہبول کے سایہ" کا ایک باب پڑھا۔ • قومی آواز

ریڈیو کے اردو پروگرام کے وقت میں توسیع

حیدر آباد:۔ جناب آئی کے گجرال مرکزی منسٹر آف اسٹیٹ برائے اطلاعات نے ورکنگ جرنلسٹس کے غیر منعقدہ جلسہ میں کہا کہ آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کے اردو پروگرام کے وقت کو بڑھا کر ایک گھنٹہ کر دیا جائے گا۔ فی الوقت اردو پروگرام صرف (۳۰) منٹ کے لئے نشر ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے جنوری میں حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ نہ صرف اردو پروگرام کے وقت میں توسیع کی جائے بلکہ ایک طاقتور ٹرانسمیٹر نصب کیا جائے۔ • نامہ نگار

انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کی تعلیمی کمیٹی کا پروگرام

دلی۔ پنڈت سندر لال صاحب صدر انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ نے جناب زین العابدین صاحب پرنسپل فتحپوری ہائر سکنڈری اسکول، جناب محمد یوسف صاحب، جناب سلیمان صابر صاحب اور جناب شکور احمد صاحب ہیڈ ماسٹر منبع الاسلام مڈل اسکول اور جناب ناز انصاری صاحب کو انجمن کی تعلیمی کمیٹی کا کارکن نامزد کیا ہے۔ ارکان کمیٹی خصوصی دعوت پر انجمن کی جنرل کونسل کی میٹنگوں میں شریک ہو سکیں گے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مذکورہ تمام اصحاب پہلے ہی سے انجمن کی تعلیمی سرگرمیوں میں سرگرم حصہ لیتے رہے ہیں۔ یہ کمیٹی جو اس وقت اردو ذریعۂ تعلیم کے اسکولوں سے تعلق رکھنے والے مسائل کو حل کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ آئندہ تعلیمی سال کے دوران بعض اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے ٹیوٹوریل کلاسوں کا انتظام بھی کرنے کی سعی کرے گی۔

• بہار ریلی سکریٹری

مطبوعات انجمن

۱۔ روزگار شہر رج / سود و زر	ابو سالم	۸٫۵۰
۲۔ بازدید	خبیب الرحمٰن	۳٫۵۰
۳۔ بھگوت گیتا	محمد اجمل خاں	۲٫۵۰
۴۔ تذکرۂ گلشن سخن	مسعود حسین رضوی	۹٫۰۰
۵۔ تذکرہ شعرائے بجے پور	احترام الدین احمد شاغل	۹٫۵۰
۶۔ تاریخ جمالیات	مجنوں گورکھپوری	۲٫۰۰
۷۔ ترقی پسند ادب	سردار جعفری	۳٫۷۵
۸۔ تنقیدیں	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۷٫۰۰
۹۔ چند ہم عصر	مولوی عبدالحق	۱٫۵۰
۱۰۔ حالی کی ایک جھلک	بیگم صالحہ عابد حسین	"
۱۱۔ خطوط غالب	مالک رام	۶٫۵۰
۱۲۔ دھمید	سرور لکھنوی	۳٫۰۰
۱۳۔ دیمک کی کہانی	ڈاکٹر عبدالبصیر خاں	۲٫۰۰
۱۴۔ دیوان غالب	امتیاز علی عرشی	۲۰٫۰۰
۱۵۔ اردو صرف نحو (جدید ایڈیشن)	مولوی عبدالحق	۱٫۲۵
۱۶۔ زنداں نامہ	فیض احمد فیض	۲٫۲۵
۱۷۔ سخن مختصر (نیا مجموعہ کلام)	معین احسن جذبی	۲٫۰۰
۱۸۔ سن ساون	پنڈت سندر لال	۰٫۴۰
۱۹۔ سیاسیات کے اصول (مکمل)	ہارون خاں شروانی	۵٫۰۰
۲۰۔ سیر افلاک	حکیم احمد	۵٫۰۰
۲۱۔ سوگوار یاد	رحم علی الہاشمی	۳٫۲۵
۲۲۔ شگفتگی (اردو)	بیگم قدسیہ زیدی	۲٫۰۰
۲۳۔ " "	"	"

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

اخبار و افکار

دلی میں نصابی اردو کتب کا انتظام کیا جائے گا

دلی۔ جناب انور دہلوی نے میٹرو پولیٹن کونسل کی جن سنگھی پارٹی کے سکریٹری کی حیثیت سے اولڈ سیکریٹریٹ میں منعقدہ ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ دلی ایڈمنسٹریشن اردو کو وہ تمام سہولیات دے گا جس کی وزارت داخلہ کی طرف سے ہدایت کی گئی تھی۔

وہ نامہ نگار الجمعیۃ کے ایک سوال کا جواب دے رہے تھے۔ جب ان کو اردو نصاب کی کتابوں کے فقدان کی طرف توجہ دلائی گئی تو انھوں نے یقین دلایا کہ دلی ایڈمنسٹریشن کی طرف سے ان کتابوں کی فراہمی کے سلسلے میں پوری پوری کوشش کی جائے گی اور ان کتابوں کی اشاعت کا انتظام کیا جائے گا۔ اس موقع پر نامہ نگار نے انھیں اردو کتب کی اس فہرست کی ایک نقل بھی پیش کی جو اس سے قبل ڈپٹی ڈائرکٹر کو پیش کی جا چکی تھی۔ فہرست میں وہ کتابیں درج ہیں جو ابھی چھپی نہیں ہیں اور جن کی طلبہ کو فوراً ضرورت ہے۔

• الجمعیۃ دلی

اردو کو سرکاری زبان قرار دینے کے سلسلے میں یو۔پی کونسل میں مباحثہ

لکھنؤ۔ یو۔پی کونسل میں چھیدی لال ساتھی کا وہ غیر سرکاری ریزولیوشن نامنظور ہو گیا جس میں اردو کو اتر پردیش کی دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

ریزولیوشن کو نامنظور کرتے ہوئے وزیر تعلیم مسز بیت معراستے کہا کہ اردو کے لئے حکومت گہری ہمدردی کے جذبات رکھتی ہے وہ چاہتی ہے کہ اردو پھلے پھولے، سرکاری کام کاج میں اس کا عمل دخل قائم ہو اور اس کے ساتھ سوتیلا سلوک نہ برتا جائے۔ وزیر تعلیم نے ایوان کو یقین دلایا کہ حکومت اردو سے متعلق اپنی پالیسی اور اس زبان کو دی گئی مراعات پر عملدرآمد کے لئے حساس رویہ اختیار کرے گی نیز جو بھی شکایات اردو کے فروغ سے متعلق دستیاب ہوں گی ان کو رفع کرنے کی کوشش کرے گی۔

وزیر تعلیم نے کہا کہ لیکن جہاں تک اردو کو صوبہ کی دوسری سرکاری زبان قرار دینے کا تعلق ہے حکومت اس مطالبہ کو تسلیم نہیں کر سکتی کیونکہ اس مطالبہ کی راہ میں کئی ٹیکنیکل دشواریاں ہیں جن میں سے اولین دشواری یہ ہے کہ صوبہ میں اردو بولنے والوں کی تعداد دس فیصدی ہے جب کہ کسی صوبہ کو دو لسانی صوبہ قرار دینے کے لئے لسانی کمیشن کی شرط یہ ہے کہ متعلقہ صوبہ میں دوسری سرکاری زبان کے مطالبہ کنندگان کی تعداد کم از کم تیس فیصدی ہو۔ بہرحال ہم پوری کوشش کریں گے کہ دستور کی منشاء کے مطابق اردو کو تمام تر سہولتیں فراہم کی جائیں ہماری پالیسی یہ ہے کہ سرکاری دفاتر میں جس زبان میں درخواستیں دی جائیں اسی زبان میں جواب دیا جانا چاہئے جن تحصیلوں اور اضلاع میں اردو بولنے والوں کی تعداد ۱۰ فیصدی ہے وہاں مذکورہ سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں اور کی جاتی رہیں گی۔

چھیدی لال (حکمراں کانگریس) نے اپنے ریزولیوشن کی تائید میں تقریر کرتے ہوئے شکوہ کیا کہ اردو کے مسئلہ کو برابر نظر انداز کیا جا رہا ہے انھوں نے آئین کا حوالہ دیا اور کہا کہ آئین میں ضمانت موجود ہے کہ لسانی اور مذہبی اقلیتوں کے کلچر اور ان کی زبان کو تحفظ فراہم کیا جائے لیکن صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے حکومت اردو کو اس کے بعض حقوق ودیعت کئے جانے کے متعدد اعلانات کرتی ہے اور ان پر عملدرآمد کا دعوے بھی کیا جاتا ہے مگر عملدرآمد کہاں اور کب ہوتا ہے۔ یہ کچھ پتہ نہیں انھوں نے کہا کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اردو پاکستان یا مسلمانوں کی زبان ہے۔

محسنہ قدوائی (حکمراں کانگریس) نے ریزولیوشن کی تائید میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مذہب کا کوئی تعلق زبان سے ہرگز نہیں ہے۔ اردو کے تئیں حکومت کے سارے دعوے کاغذی ہیں جن پر عملدرآمد نہیں ہوتا۔ محسنہ قدوائی نے اسکولوں میں اردو تعلیم کے لئے طلبہ کی پابندی ختم کر کے آٹھویں درجہ تک اردو کو لازمی مضمون کے بطور پڑھائے جانے کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے حکومت سے سوال کیا کہ ایک سال میں کتنی عدالتوں میں اور کتنے سرکاری دفاتر میں اردو میں لکھی گئی درخواستیں قبول کی گئیں نیز یہ کہ حکومت نے ضلع کی سطح پر کس طرح سہولتیں فراہم کیں؟

پی۔ ڈی۔ ٹنڈن نے سلیس اردو میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ زبان کے حقوق کے معاملہ میں تعداد کو بنیاد نہیں بنانا چاہئے حکومت اردو کے تئیں جو یقین دہانیاں کرتی ہے اگر اس پر سنجیدگی سے عملدرآمد بھی ہو تو اردو والوں کی آدھی شکایات رفع کی جا سکتی ہیں۔

سلطان عالم (حکمراں کانگریس) نے ریزولیوشن کی حمایت میں تقریر کی اور انھوں نے اصرار کیا کہ حکومت اردو کے متعلق اپنے اعلانات پر عملدرآمد کرے۔ انھوں نے کہا کہ اردو جاننے والوں کو ایجنڈا اور ایوان کی کارروائی کی رپورٹ اردو میں فراہم کی جائے کیونکہ جس ہندی میں ایجنڈا اور کارروائی کی رپورٹ فراہم کی جاتی ہے۔ اسے ہمارا سمجھنا تو دور رہا ان کا سمجھنا بھی ناممکن ہوتا ہے جن کی مادری زبان ہندی ہے۔

پربھو نرائن (ایس۔ ایس۔ پی) نے اردو کی شیرینی اور اس کے لوچ کی تعریف کی۔ انھوں نے اردو اور ہندی کے رشتہ کو گنگا جمنا کے رشتہ سے تعبیر کیا اور اردو بولنے والوں کے لئے مراعات کے مطالبہ کی وکالت کی۔ ایس۔ ایس۔ پی رہنما نے کہا کہ اگرچہ میں یو۔پی کو دو لسانی صوبہ قرار دئے جانے اور اردو کو یو۔پی کی دوسری

زبان تسلیم کرنے کے مطالبہ کے حق میں نہیں ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ سہ لسانی فارمولے کے تحت ہائی اسکول کی سطح تک اردو کو لازمی مضمون کی حیثیت سے تسلیم کر لینا چاہیے۔

آغا زیدی نے بحث میں حصّہ لیتے ہوئے کہا کہ یہ غلط ہے کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ انھوں نے ڈاکٹر فریدی پر الزام عاید کیا کہ ان کی ذات سے اردو کو نقصان پہنچا۔ جناب آغا نے کہا کہ اردو کے نام نہاد شیدائی ڈاکٹر فریدی نے اس وقت کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا تھا جب کہ ان کے ریٹائر ہونے میں چند دن باقی رہ گئے تھے۔

جناب آغا نے کہا کہ جس طرح اردو کی ترویج و بقاء، چھیدی لال ساتھی کے اردو کے مسئلہ کو الجھانے میں مضر نہیں ہیں۔ بالکل اسی طرح جناب بی۔ ڈی کپور (جن سنگھ) کی مٹانے کی کوششوں سے اردو مٹ گئی نہیں۔ انھوں نے بی۔ ڈی کپور پر الزام عاید کیا کہ جب وہ شیعوں میں جاتے ہیں تو وہ شیعوں جیسی باتیں کرتے ہیں اور جب ہندوؤں میں جاتے ہیں تو ہندوؤں جیسی کہتے ہیں۔

بی۔ ڈی کپور (جن سنگھ) نے ریزولیوشن کی مخالفت کی۔ انھوں نے کہا کہ جن سنگھ اردو کی مخالف نہیں ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ اردو پھلے پھولے لیکن ہم اردو کو دوسری سرکاری زبان کے بطور تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بی۔ ڈی کپور نے اس شرط کے ساتھ اردو کی حمایت کا وعدہ کیا کہ اسے فارسی کی بجائے دیوناگری رسم خط کا جامہ پہنا دیا جائے۔

شاکر علی صدیقی (سنڈیکیٹ کانگریس) نے کہا کہ اردو کے سوال پر ہم اردو کے لئے اس کے حق کے طلبگار ہیں۔ ہم حکومت کا احسان اٹھانا نہیں چاہتے۔ صرف اپنا حق چاہتے ہیں۔ انھوں نے اردو کو کئی پشتوں کی زبان قرار دیا۔

سنڈیکیٹ ممبر نے کہا کہ اردو دلّی دکنی سے فراق گورکھپوری تک کی زبان ہے۔ اردو کے ساتھ ہمیشہ ناانصافی کی گئی جو بھی حکومت آئی اس نے اردو کے لئے وعدے کئے مگر کسی حکومت کا کوئی وعدہ وفا نہ ہوا۔

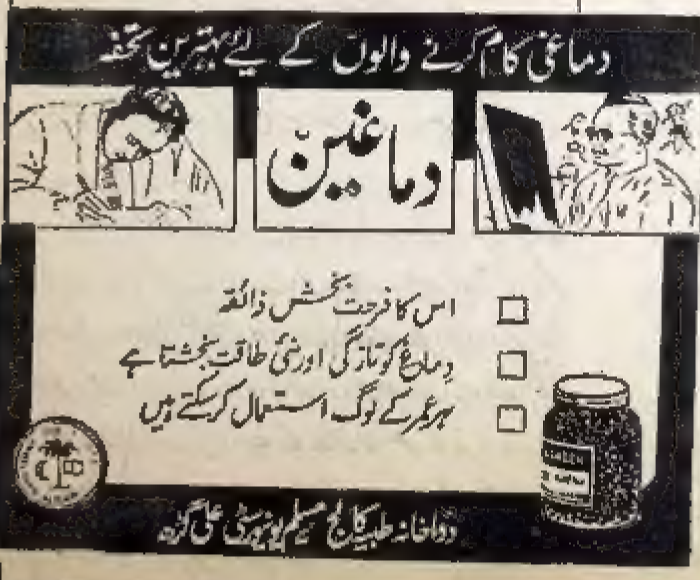
جناب ڈی۔ بی کپور پر طنز کرتے ہوئے جناب شاکر علی نے کہا۔ جناب کپور اردو کے بڑے ہمدرد بنتے ہیں مگر سڑکوں کے بورڈ پر اردو ندارد ہے۔ اردو کے مقابلہ میں انھیں انگریزی سے محبت ہے۔

سیاست

شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی میں فیض احمد فیض کا خیر مقدم

علی گڑھ ۔ اردو کے ممتاز شاعر جناب فیض احمد فیض کی علی گڑھ میں تشریف آوری پر ۵ر جون کو ساڑھے گیارہ بجے صبح شعبۂ اردو مسلم یونی ورسٹی کی جانب سے انھیں ایک استقبالیہ دیا گیا۔ یونی ورسٹی کے ممتاز اساتذہ اور طلبہ موجود تھے۔ فیض کا تعارف کراتے ہوئے صدر شعبۂ اردو پروفیسر آل احمد سرور نے برصغیر ہند و پاکستان میں اردو دنیا کی دشواریوں کا ذکر کیا اور کہا کہ ایک طور پر جغرافیہ علی گڑھ کے خلاف ہے یہی وجہ ہے کہ آج اٹھائیس برس بعد فیض علی گڑھ آسکے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ فیض کئی بار دلی آئے اور دلی کو ہندوستان کا دل کہا جاتا ہے لیکن وہ جگہیں جہاں یونی ورسٹیاں ہوتی ہیں کسی ملک کے دماغ کی حیثیت رکھتی ہیں اور ہمارا ادارہ تو صرف ایک درسگاہ اور دانشگاہ ہی نہیں بلکہ ایک تہذیبی مرکز بھی ہے۔ ہم آج انتہائی مسرت کے ساتھ فیض کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ فیض کا شمار ہمارے چوٹی کے شاعروں میں کیا جاتا ہے اور اس وقت اردو شاعری میں سب سے محبوب شخصیت فیض کی ہے۔ ان کی شاعری میں خلوص نظر اور دھیمی دھیمی خوشگوار غنائی کیفیت ہے اور یہی فیض کی نمایاں خصوصیت ہے۔ جہاں کہیں اردو جاننے والے موجود ہیں وہاں فیض کے پرستار بھی موجود ہیں۔ اس مختصر تقریر کے بعد سرور صاحب نے یونی ورسٹی اور شعبۂ اردو اور انجمن ترقی اردو کی کچھ چیدہ مطبوعات فیض کی نذر کیں۔

فیض نے سرور صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ علی گڑھ کافی دنوں بعد آنا ہوا لیکن اس میں میری خطا نہیں بلکہ ستم ہائے روزگار کا دخل ہے یہ ضرور ہے کہ اس درمیان علی گڑھ کا خیال میرے دل سے کبھی محو نہ ہوسکا اسے میں ایک درسگاہ اور دانشگاہ ہی نہیں بلکہ درگاہ بھی سمجھتا ہوں۔ یہیں میں نے ۱۹۲۵ء میں ایم۔ اے۔ او کالج کی سو جبلی کے موقع پر اپنی زندگی کا سب سے بڑا مشاعرہ دیکھا اور یہیں پر بڑی بڑی یگانۂ روزگار شخصیتوں کی زیارت نصیب ہوئی یہ ضرور ہے کہ آج ہمارے درمیان فاصلے موجود ہیں لیکن دل کے رشتہ پر یہ بُعد مکانی اثر انداز نہیں ہوتے۔ اس مختصر تقریر کے بعد فیض نے



اپنا نیا اور پرانا کلام سنایا۔ اس محفل میں علی گڑھ کے شعراء میں ڈاکٹر معین احسن جذبی، ڈاکٹر منیب الرحمٰن، شہریار، خواجہ مسعود علی ذوقی، وارث کرمانی، بشیر بدر اور سرور صاحب نے بھی اپنا کلام سنایا۔ اس کے بعد حاضرین کے اصرار پر دوبارہ فیض نے اپنا کچھ اور کلام پیش کیا۔ آخر میں پروفیسر عبدالعلیم وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے فیض کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دونوں ملکوں میں کتابوں اور رسالوں کی آمد و رفت پر پابندی کی جانب فیض کی توجہ دلائی اور اس امید کا اظہار کیا کہ فیض اور ان کے دوسرے پاکستانی معاصرین اور ہندوستان کے عالموں اور ادیبوں کی مشترکہ کوششوں سے جلد یہ پابندیاں ختم ہو سکیں گی۔ اور ثقافتی اور تہذیبی لین دین کا سلسلہ دونوں ملکوں کے درمیان از سرِ نو شروع ہو جائے گا۔ علیم صاحب نے اپنی تقریر کے خاتمہ پر دسمبر میں مسلم یونیورسٹی کی گولڈن جبلی کے جشن میں فیض کو شرکت کی دعوت دی۔

• نامہ نگار

بہار یونی ورسٹیز ٹیچرس ایسوسی ایشن کا قیام

گورکھپور:- گورکھپور یونی ورسٹی کے زیرِ اہتمام اردو ریفریشر کورس میں شریک ہونے والے ریاست بہار کی یونی ورسٹیوں کے اردو اساتذہ کا ایک جلسہ پروفیسر اختر قادری صاحب صدر شعبۂ اردو و فارسی بہار یونی ورسٹی منعقد ہوا۔ شرکائے جلسہ میں ڈاکٹر عبدالواسع پروفیسر فصیح ظفر، پروفیسر احمد سجاد، پروفیسر ابوذر عثمانی، پروفیسر حامد چھپروی، پروفیسر انور سیوانی، پروفیسر تہذیب ہاشمی پروفیسر علیم اللہ حالی، پروفیسر عثمان علی خاں، پروفیسر منظور نعمانی اور پروفیسر طیب کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

اس اہم نشست میں بہار کی یونی ورسٹیوں میں اردو کی تعلیم و تدریس اور اردو اساتذہ کے مسائل پر تبادلۂ خیال کیا گیا اور طے پایا کہ بہار کی یونی ورسٹیوں کے اردو اساتذہ کی ایک انجمن بہار یونی ورسٹیز اردو ٹیچرس کے نام سے قائم کی جائے۔

بالاتفاق رائے یہ بھی طے پایا کہ ماہ ستمبر اکتوبر میں ریاستی پیمانے پر اردو اساتذہ کی ایک عظیم الشان کانفرنس مظفر پور میں منعقد کی جائے۔

اس مقصد کے تحت ایک ایڈہاک کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی جس کے کنوینر جناب پروفیسر اختر قادری صاحب منتخب کئے گئے اور مندرجہ ذیل حضرات کمیٹی کے ارکان منتخب ہوئے۔

۱- پٹنہ یونی ورسٹی- جناب ڈاکٹر مطیع الرحمان صاحب
　　　　" " ذکی الحق صاحب
۲- بہار یونی ورسٹی　" " عبدالواسع صاحب
　　　　" حامد چھپروی
۳- مگدھ یونی ورسٹی　جناب فصیح ظفر صاحب
　　　　" علیم اللہ حالی صاحب
۴- رانچی یونی ورسٹی　" احمد سجاد صاحب
　　　　" ابوذر عثمانی صاحب
۵- بھاگلپور یونی ورسٹی　" مظفر اقبال صاحب
　　　　" طارق جمیلی صاحب

• نامہ نگار

اردو پارلی مانی کمیٹی کی عاملہ

نئی دہلی ۱۰؍جون۔ اردو کو ملک میں اس کا جائز مقام دلانے کے مطالبے کی حمایت کے لئے پارلیمنٹ کے ممبروں کا ایک کنونشن اس کے بارانی اجلاس کے دوران ہوگا۔

ایک اردو پارلی مانی کمیٹی جناب آنند نرائن ملا کی صدارت میں بنادی گئی ہے۔ انھوں نے ۲۰ ممبروں کی ایک ایگزیکیٹو کمیٹی نامزد کی ہے۔ ممبروں کے نام یہ ہیں۔

۱- جناب اجیت پرشاد جین　(کانگریس)
۲- " ایس۔ این۔ مسرا (تنظیم کانگریس)
۳- " اے۔ کے۔ گوپالن (مارکسی پارٹی)
۴- " سریندر ناتھ دویدی (پرجا سوشلسٹ)
۵- " جارج فرنینڈز (سنگیت سوشلسٹ)
۶- " گرمکھ سنگھ مسافر (کنوینر)
۷- " این۔ کے۔ سومانی (")
۸- " دی کرشنا مورتی (")
۹- " گرچرن سنگھ (")
۱۰- " اسحاق سنبھلی (")
۱۱- ڈاکٹر مسز متری بوس (")
۱۲- جناب چندرجیت یادو (")
۱۳- " آر۔ کے۔ سنہا (")
۱۴- " اکبر علی خاں (")
۱۵- " ایس۔ اے۔ آغا (")
۱۶- " محمد عثمان عارف (")
۱۷- " ششی بھون (")

• قومی آواز

"ہماری زبان"

کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت یہ لحاظ رہے کہ وہ کاغذ کے ایک طرف صاف لکھے ہوں　(ادارہ)

تبصرہ

خلیل الرحمٰن اعظمی

نغمۂ شعور

مصنف : عبدالمتین نیاز
ناشر : مرکز ادب۔ بھوپال
قیمت : دو روپے

عبدالمتین نیاز ایک جوان العمر شاعر ہیں۔ ان کا وطن بارہ بنکی (اودھ) کا ایک قصبہ ہے مگر ان کی ذہنی تربیت بھوپال کی ادبی و شعری فضا میں ہوئی ہے۔ جن شعراء کی روایت سے انھوں نے اپنے مزاج کو ہم آہنگ پایا ہے ان میں فانی، جگر، مجروح اور فیض کے نام خاص طور پر اہم ہیں۔ ان اشعار سے ان کے رنگ تغزل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سرخیٔ خون جگر لے کے حنا جاگی ہے
آج اس شوخ کے چہرے پہ حیا جاگی ہے

دھڑکنے ہی کی حد تک ہو جہاں وابستگی دل کی
گزرنا چاہتا ہوں زندگی کی ایسی منزل سے
ہمارے روبرو آیا جب آئینہ "تفکر" کا
تو اپنی شکل ہم پہچان پائے خود بھی مشکل سے

اٹھاؤ تیشۂ ادراک اہل فکر ذرا
نئے دماغ تراشو نئی صدی کے لئے

وعدوں کی خلش ہم دل میں لئے تاروں سے شکایت کرتے رہے
اور رات سحر کی آنکھوں میں پھر ہنستی گاتی ڈوب گئی

پھر سمایا نہ کوئی عکس ترے عکس کے بعد
سیکڑوں جلوے رہے دیدۂ حیراں کے قریب

قطرہ قطرہ مری آنکھوں سے لہو دل کا گرا
اس طرح آیا جب افکار کا موسم آیا

غم خواروں سے کیا ہوگا مرے غم کا مداوا
غم خواروں کی آنکھوں سے بھی غم جھانک رہا ہے

جاگی ہوئی آنکھوں میں کچھ خواب لئے پھرنا
پہچان ہے آتی ہی اس دور کے انساں کی

آخر کے دو شعروں میں جو اضطراب اور تجسس ہے وہ آج کے ذہنی رویّوں سے بے حد قریب ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ نیاز صاحب کی غزل بہت جلد نئی سمتوں کی طرف قدم بڑھائے گی۔ نظمیں تعداد میں کم ہیں "میں" اور "اعتراف" ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ بقیہ نظموں میں ترقی پسند دور کی مقبول عام شاعری کا پرتو زیادہ نمایاں ہے۔

انجمن کی انعامی کتابیں

انجمن کی وہ کتابیں جن پر ساہتیہ اکیڈمی اور حکومت اترپردیش نے مصنفین کو انعامات دئے ہیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔	اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصّہ	ڈاکٹر محمد عزیز	۵٫۵۰
۲۔	دیوان غالب	امتیاز علی عرشی	۲۰٫۰۰
۳۔	تنقیدیں	ڈاکٹر خورشید الاسلام	۴٫۵۰
۴۔	ذکر حافظ	سجاد ظہیر	۲٫۲۵
۵۔	غزل اور درس غزل	اختر انصاری	۲٫۰۰
۶۔	قومی تہذیب کا مسئلہ	ڈاکٹر سید عابد حسین	۶٫۰۰
۷۔	کچھ ذرے کچھ تارے	آنند نرائن ملا	۲٫۵۰
۸۔	گل کرسٹ اور اس کا عہد	محمد عتیق صدیقی	۷٫۰۰
۹۔	میر تقی میر اور شاعری	ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی	۱۲٫۰۰
۱۰۔	ہندی ادب کی تاریخ	ڈاکٹر محمد حسن	۵٫۵۰

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپوایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا

REGD. NO. L. 322 فون نمبر ۲۹ R-NO-2196/57